ایک حدیث

اسمائے حسنیٰ

بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے ایک ارشادِ نبوی یوں نقل کیا ہے:

ان للہ تسعۃ وتسعین اسما من حفظھا دخل الجنۃ — اللہ کے ۹۹ نام ہیں جو ان کو محفوظ کرے وہ جنتی ہوگا۔

یہ ۹۹ نام کیا کیا ہیں ان کا کوئی ذکر بخاری و مسلم نے نہیں کیا ہے۔ البتہ ترمذی اور ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم اور ابونعیم نے یہ سارے نام درج کئے ہیں۔ چونکہ ترمذی کو ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور ابونعیم وغیرہ پر مقدم رکھا جاتا ہے اس لیے "قاعدۂ بغدادی" سے لے کر دلائل الخیرات تک اسی روایت کو اختیار کیا گیا ہے۔ ان اسمائے الٰہیہ کی بعض اہل علم نے شرحیں بھی کی ہیں۔ یہاں جو بات کم از کم مجھے اب تک انتہائی حیرت میں ڈالے ہوئے ہے وہ یہ ہے کہ ترمذی، ابن حبان اور حاکم اور ابونعیم کی روایتوں میں لفظ رب موجود نہیں۔ لفظ "مقیت" جو قرآن میں صرف ایک جگہ آیا ہے وہ تک موجود ہے لیکن جو لفظ رب قرآن میں کم و بیش چار سو بار آیا ہے اس کا کہیں ذکر نہیں۔ اگر بسم اللہ الخ کو سورۂ حمد کا جزو مانا جائے تو پہلی اور دوسری صفت رحمان و رحیم ہے اور تیسری رب العٰلمین۔ ورنہ اول صفت رب ہی ہے۔ ہر روز ہر نمازی بیسوں بار اس کی تکرار کرتا ہے۔ نیز یہ اتنی بڑی اور بنیادی صفت ہے کہ رحمت، ارتقا، پرورش، آقائی وغیرہ کے تمام مفاہیم اس میں آجاتے ہیں۔

یہ تو گمان ہی نہیں ہو سکتا کہ حضور اکرمؐ کے ذہن میں یہ لفظ موجود نہ ہو یا حضرت ابوہریرہ کو یاد نہ رہا ہو۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور راوی سے یہ غلطی رہ گئی اور ظاہر ہے کہ اتنی لمبی فہرست کو دہرانے میں ایسی غلطی کا ہو جانا کچھ بعید نہیں۔

اس کے علاوہ خدا الالٰہ بھی ہے (انما الٰھکم اللہ واحد) لیکن اسمائے حسنیٰ میں کہیں اس کا بھی ذکر نہیں حالانکہ کلمۂ توحید کی بنیاد اسی پر ہے (یہاں اللہ اور الالٰہ کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے)

دوسری چیز یہ ہے کہ ترمذی نیز ابن حبان اور حاکم اور ابن ماجہ کی روایتوں میں کچھ اسماء اس طرح آئے ہیں کہ ننانوے کی تعداد تو سب میں پوری ہو جاتی ہے لیکن کچھ اسماء ایک میں ہیں اور دوسری میں

نہیں اور جو دوسری میں ہیں وہ پہلی میں نہیں۔ یعنی سب روایتوں کے کچھ اسماء مشترک ہیں کچھ مختلف۔

یہاں ایک چیز اور بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ان روایتوں میں

(۱) کچھ لفظ تو ایسے ہیں جو بعینہٖ قرآن میں موجود ہیں مثلاً رحمان، رحیم، ملک، قدوس وغیرہ۔

(۲) کچھ ایسے ہیں جو بعینہٖ تو نہیں لیکن اسی مادّے کے دوسرے صیغوں (اور جملوں) میں بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً قرآن میں قابض یا باسط کا لفظ خدا کے لیے کہیں نہیں آیا ہے لیکن یہ صفت، قبض وبسط یوں بیان ہوئی ہے: فاللہ یقبض ویبسط۔

(۳) کچھ ایسے ہیں جن کا مفہوم دوسرے مادّے کے مشتقات میں آجاتا ہے مثلاً اللہ اہل تقویٰ سے محبت کرتا ہے یا اہل ایمان اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ لہٰذا خدا "حبیب" یعنی محب و محبوب بھی ہوا لیکن اسمائے حسنیٰ میں یہ لفظ موجود نہیں بلکہ لفظ ودود میں یہ مفہوم آجاتا ہے۔ اسی طرح خدا مرسل (رسول یا فرشتے یا بارش کو بھیجنے والا) بھی ہے لیکن روایت کے اسمائے حسنیٰ میں یہ لفظ نہیں بلکہ باعث کا لفظ ہے جو بعث فی الامیین رسولا اور یبعث من فی القبور دونوں کو سمیٹ لیتا ہے۔

(۴) اسی طرح بعض کئی مفاہیم ایسے ہیں جن کے مجموعے کے لیے اسمائے حسنیٰ میں صرف ایک جامع لفظ آگیا ہے۔ مثلاً خدا بارش نازل فرماتا ہے (امطرنا علیہم) وہ کھیت اگاتا ہے (انبتنا فیھا) وہ انعام بھی دیتا ہے (انعمت علیہم) اس لیے وہ ممطر، مُنبت اور منعم بھی ہے۔ لیکن یہ الفاظ اسمائے حسنیٰ میں موجود نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ لفظ رازق (یا ابن ماجہ کی روایت میں وہاب) کے لفظ میں یہ سارے مفاہیم آجاتے ہیں۔

قرآن میں جو احسن الخالقین، احکم الحاکمین، ارحم الراحمین اور فعال لما یرید، ذی الطول، اکرم، اعلیٰ وغیرہ آئے ہیں ان کو بھی اسی میں داخل سمجھئے۔ یعنی ان کے مفاہیم کو بھی دوسرے مختصر لفظوں ــــ خالق، حکم، قادر، قوی، رحیم، کریم، علی وغیرہ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

(۵) کچھ ایسے ہیں جو مترادف المعنی ہیں اور روایتوں میں وہ سب نہیں لئے گئے ہیں۔ مثلاً قرآن میں قدیر، قادر، مقتدر، کے لفظ آتے ہیں لیکن روایتوں میں صرف قادر اور مقتدر کا ذکر ہے۔ قدیر کہیں مذکور نہیں اگرچہ قرآن میں کئی بار یہ لفظ آیا ہے۔ اسی طرح قرآن میں غافر، غفور، غفار آئے ہیں لیکن روایتوں میں غافر موجود نہیں۔

(۶) ابن ماجہ کی روایت میں جو زائد اسمائے صفات مذکور ہیں وہ یہ ہیں، جمیل، قریب، مبین، ابد،

برھان، دائم، ناظر، کافی، عالم، صادق، تام، قدیم، سامع - وتر۔

ابونعیم اور حاکم کی روایتوں میں کچھ مزید نام یہ ہیں: حنان، منان، فرد، نصیر، جمیل، صادق، محیط، وتر، فاطر، علام، ملیک، مدبر، ذوالطول، ذوالمعارج، خلاق، ذوالفضل العظیم۔ ان سب روایات میں بعض اسماء قرآن میں ہیں۔ اور باقی سب صفات ترمذی، ابن حبان کے کسی نہ کسی مندرجہ اسم صفت میں معنیً موجود ہیں۔ بعض دوسری روایتوں میں ضمنی ذکر میں خدا کے لیے جواد، ستار، نظیف، طیب وغیرہ بھی ہیں۔

(۷) البتہ جمیل کا لفظ ہمارے نزدیک بڑا بنیادی اور اہم ہے۔ اللّٰہ جمیل ویحب الجمال (حدیث) ارنلڈ صاحب نے اسمائے حسنیٰ پر جو کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے جلیل کی بجائے جمیل ہی لکھا ہے۔ کیونکہ ذوالجلال والاکرام میں جلیل کا پورا مفہوم داخل ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسی حسین کائنات بنانے والا خود حسین وجمیل نہ ہو؟ اسماء تو حسین ہوں اور مسمّیٰ حسین نہ ہو؟

(۸) یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ننانوے کا لفظ صرف کثرتِ تعداد کے لیے ہے نہ کہ خاص عدد کے اظہار کے لیے۔ صفاتِ الٰہیہ بے شمار ہیں۔ صرف قرآن ہی کو لیں تو کئی سو صفات نکلیں گی۔ ان سب کو روایتوں میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۹) یہ اسمائے حسنیٰ درحقیقت صفاتی نام ہیں جو اللّٰہ کی صفات (ATTRIBUTES) کو ظاہر کرتے ہیں کیونکہ خدا کی ذات کو کوئی نہیں پاسکتا۔ اس کا عرفان اس کی صفات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اور وہ بھی مجردًا نہیں بلکہ مظاہر کائنات میں اس کی جو صفات بکھری ہوئی ہیں انسان انہی کا بقدر استطاعت علم یا ادراک حاصل کرسکتا ہے۔

(۱۰) خدا کی تمام صفات ایک ساتھ ہی ہر آن کائنات میں کارفرما ہیں یعنی تمام صفات خاص تناسب (PROPORTION) سے باہم مل کر ایک وحدت کی شکل میں پھیلی ہوئی ہیں گویا توحیدِ ذات کی طرح توحیدِ صفات بھی ایک حقیقت ہے۔ پھر جب یہ احساس ہوجائے کہ اس کی ذات عین صفات اور صفات عین ذات ہے تو بس یہی توحید ربانی کا اعلیٰ مقام ہوتا ہے۔

(۱۱) قرآن میں آیا ہے صبغۃ اللّٰہ۔ اللّٰہ کا رنگ اختیار کرو۔ اسی مضمون کو حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے تخلقوا باخلاق اللّٰہ۔ خدائی کردار میں رنگ جاؤ۔ پس انسان کا نصب العین یہ ہے کہ تمام صفاتِ الٰہیہ کو اسی تناسب کے ساتھ ایک وحدت کی شکل میں اپنے اندر سمو کر ساری کائنات پر

تصرف کرے۔

(۱۲) ان اسمائے صفات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ سب "اقدارِ حیات" ہیں جن کا مرکز وحید ذاتِ خداوندی ہے۔ ساری قدروں کا سرچشمہ اسی کی ذات ہے۔ پس انہی اقدار کو اپنانے سے انسان قربِ خداوندی حاصل کرسکتا ہے۔ وہ ان اقدار میں جتنی ترقی کرتا جائے گا اسی قدر وہ خدا سے قریب تر ہوتا جائے گا۔

(۱۳) ان اسمائے حسنیٰ کو محض شمار کرلینا مقصود نہیں۔ دوسری روایت میں من احصاھا کی بجائے من حفظھا ہے۔ لیکن اس کے معنی بھی زبانی یاد کرلینے کے نہیں بلکہ ان صفات و اقدار کی محافظت اور نگہداشت مقصود ہے۔ یہی تو انسان کا واحد نصب العین ہے اور یہی کمالِ توحید ہے۔ صفات بظاہر بکثرت ہیں لیکن اس کثرت میں وحدت کو تلاش کرنا ہی توحید ہے۔ اور اس کی شکل یہ ہے کہ ان سب کو مجموعی وحدت بنا کر اپنے اندر سمو لیا جائے۔

(۱۴) رب کی طرح لفظ اللہ بھی بڑا اساسی اسم خداوندی ہے بلکہ ایک لحاظ سے یہ الالٰہ تمام اسمائے حسنیٰ سے زیادہ اہم ہے کیونکہ کلمۂ شہادت کا دارومدار ہی الٰہیت کے انکار و اقرار پر ہے۔ یعنی تمام الٰہوں کی الوہیت کی نفی کرنے اور اللہ کی الٰہیت کا اقرار کرنے کا نام ہے شہادتِ توحید۔ آپ سارے اسمائے الٰہیہ کا اس طرح نفی و اثبات سے اقرار کرلیں تو بات سچی ہوگی لیکن اقرار توحید مکمل نہ ہوگا۔ آپ لا ملک الا اللہ، لا رازق الا اللہ، لا خالق الا اللہ، لا رب الا اللہ وغیرہ کہتے چلے جائیں۔ بات عین مطابقِ حقیقت ہوگی لیکن اقرارِ توحید اس وقت تک مکمل نہ ہوگا جب تک لا الٰہ الا اللہ کا اعتراف نہ کریں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ الوہیت کے اعتراف میں تمام صفاتِ خداوندی کا اعتراف آجاتا ہے اور سارے اسمائے حسنیٰ کا سرچشمہ یہی اللہ ہے۔ سرچشمہ یہی ہے اور باقی سارے اسمائے صفات اسی کی شاخیں ہیں۔ لہٰذا الالٰہ کو دوسرے اسمائے حسنیٰ پر مقدم سمجھنا چاہیئے۔

(۱۵) اس لفظ اللہ کا ترجمہ کہیں معبود کیا جاتا ہے، کہیں حاکم اور کہیں پوجا کے لائق وغیرہ۔ یہ معانی غلط نہیں لیکن ان سے صرف دو ایک ہی پہلو سامنے آتے ہیں۔ ترجمہ ایسا ہونا چاہیئے کہ تمام اقدار، حقائق اور صفاتِ حسنیٰ اس میں سمٹ کر آجائیں۔ بہتر ترجمہ ہمارے نزدیک نصب العین ہے یعنی زندگی کا وہ منتہائے مقصود جس سے آگے اور کوئی مقصود نہ ہوسکے۔ ان الیٰ ربک المنتہیٰ۔ (محمد جعفر)